R N 2186/57. Regd. No. A 122

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

# ہماری زبان

Telephone No. 30

Telegrams: "ANJUMAN"

جلد ۲۱ - شمارہ ۶ | ایڈیٹر - آل احمد سرور | علی گڑھ - ۸ فروری ۶۲ء

سید شہاب الدین دسنوی

## انگریزی رسم خط کے نئے حروف تہجی

لندن کے دو تحقیقاتی اداروں<sup></sup>لہ نے انگریزی یعنی رومن رسم خط کے سلسلے میں حال ہی میں ایسے بے مثال اور قیمتی ریسرچ کئے ہیں جن کی اہمیت اور دور رس نتائج کا اندازہ اس وقت لگانا مشکل ہے۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ بچوں کے لئے انگریزی رسم خط کا سیکھنا بڑی دقت کا باعث ہوا کرتا ہے ایک طرف اس کے حروف کا غیر صوتی نام مثلاً آواز "ک" کی اور نام "سی" اور دوسری طرف الفاظ کا املا (جس میں اصول سے زیادہ بے اصولی برتی جاتی ہے) طالب علموں کے ذہن میں بڑی پیچیدگیاں پیدا کرتے رہے ہیں۔ شاید انہی کمزوریوں کے پیش نظر جارج برنارڈ شا نے وصیت کی تھی کہ اس کی جائداد سے ایک اچھی خاصی رقم ایسی تحقیقات پر خرچ کی جائے جس سے انگریزی کا رسم خط سہل بن سکے۔

لندن کے مذکورہ اداروں کی تحقیقات اور مونو ٹائپ کارپوریشن لیمیٹڈ کے تعاون اور امداد سے سر جیمس پٹمن نے اب ترمیم شدہ رومن حروف تہجی تیار کئے ہیں جنہیں **Augmented Roman Alphabet (ARA)** کا نام دیا گیا ہے۔

ذیل میں دو نمونے درج ہیں، ایک ہی عبارت کو ایک نمونے میں ترمیم شدہ حروف **ARA** میں چھاپا گیا ہے اور دوسرے میں مروجہ طریقے سے:

Ihis is printed in an augmented roeman alfabet, the purpos ov which is not, as mæt bee suppoesd, too reform our spelliŋ, but too impruuv the lerniŋ ov reediŋ. it is intended that when the beginner has acheevd the inifhal success ov flooensy in this speſhially eesy form, his fuetuer progress fhood bee confiend too reediŋ in the present alfabets and spelliŋs ov them oenly.

If yoo hav red as far as this, the nue meedium will hav proovd too yoo several points, the moest important ov which is that yoo, at eny raet, hav eesily maed the chaenj from the ordinary rooman alfabet with convenfhonal spelliŋz too augmented rooman with systematic spelliŋ.

This is printed in an augmented roman alphabet, the purpose of which is not, as might be supposed, to reform our spelling, but to improve the learning of reading. It is intended that when the beginner has achieved the initial success of fluency in this specially easy form, his future progres should be confined to reading in the present alphabets and spellings of them only.

If you have read as far as this, the new medium will have proved to you several points, the most important of which is that you, at any rate, have easily made the change from the ordinary roman alphabet with conventional spellings to augmented roman with systematic spelling.

لہ یونیورسٹی آف لندن انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن اور نیشنل فاؤنڈیشن آف ایجوکیشنل ریسرچ ان انگلینڈ اینڈ ویلس

ان نمونوں سے یہ بات ظاہر ہے کہ ARA کی بنیاد تو رومن ہی ہے لیکن اس میں ان دقتوں کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو بچوں کو پڑھنا سیکھنے کی ابتدائی منزلوں میں پیش آتی ہیں۔

خیال ہے کہ مجوزہ حروف تہجی ARA میں مہارت حاصل کرتے ہی طالب علم آسانی کے ساتھ ان کتابوں کی طرف رجوع ہو سکے گا جو مروجہ رسم خط میں چھاپی گئی ہیں۔

نئے حروف تہجی کا مقصد صرف تعلیم کی غیر ضروری پیچیدگیاں ہی دور کرنا نہیں بلکہ تعلیم کے وقت میں تخفیف کرنا بھی ہے۔ امسال ستمبر کے مہینے سے انگلستان کے تین مقامات یعنی اسٹیفارڈ شائر، اولڈھم اور ہیرو میں پانچ سال کی عمر کے ایک ہزار طالب علموں کو نئے حروف تہجی ARA میں چھپی ہوئی کتابیں دے کر پڑھانے کا تجربہ کیا جا رہا ہے۔ یہ تجربہ کم از کم تین سال تک جاری رہے گا تاکہ وقت کی بچت کا صحیح اندازہ لگ سکے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ تقریباً چالیس سے پچاس فی صدی وقت کی بچت ہوگی۔ اس تجربے کے لئے ترمیم شدہ رسم خط میں لکھی ہوئی دو سو کتابیں چھاپی جا چکی ہیں اور بیس مدرسوں سے اسّی مدرسین کو جمع کر کے اس نئے طریقے سے آشنا کرایا گیا ہے۔

ترمیم شدہ رسم خط ARA کی خصوصیات یہ ہیں:

(۱) کیپیٹل (Capital) حروف نہیں استعمال کئے جاتے ہیں ان حروف کا مقصد حاصل کرنے کی خاطر لوئر کیس کے نسبتاً بڑے سائز کے حروف استعمال ہوتے ہیں۔

(۲) حروف کی بعض نئی شکلیں داخل کی گئی ہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ ایک آواز کے لئے صرف ایک ہی حرف ہو اور یہ شکل رومن حروف سے ملتی جلتی ہو۔

(۳) انگریزی کے ۲۶ حروف میں ۱۴ حروف ایسے ہیں جن کے کیپیٹل کی ایک شکل ہوتی ہے اور لوئر کیس کی دوسری مثلاً B اور b، T اور t وغیرہ۔ اس طرح ابتدی کو ۴۰ آوازوں کے لئے ۴۰ حروف سیکھنے ہوتے ہیں۔ نئے حروف تہجی میں ایسا نہیں ہے۔ اس لئے حساب لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ جو نئی شکلیں داخل کی گئی ہیں، مجموعی حیثیت سے ان کی تعداد رومن حروف تہجی کے upper اور lower کیس کے حروف کے مقابلے میں کم ہوتی ہے۔ اس لئے زائد حروف سیکھنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا ہے۔

(۴) ترمیم شدہ حروف تہجی ARA کلی طور سے صوتی بنیاد پر قائم ہیں اس لئے انگریزی املا کی بے اصولی کی دقت دور ہو جائے گی اور اس کی مدد سے آگے چل کر بچوں کو مروجہ املا سیکھنے میں سہولت ہو جائے گی۔

غرض اس نئے تجربے میں انگریزی زبان کے طریقۂ تعلیم میں ایک بڑے انقلاب کے پیدا ہونے کی صورت نظر آ رہی ہے جس کے نتیجے یقیناً بہت دلچسپ ہوں گے۔


## ایجنسی کی کتابیں

| | | |
|---|---|---|
| یادگارِ فرحت | مرتبہ غلام یزدانی۔ قیمت مجلد ۱۰/۰۰ ۔ غیر مجلد | ۸/۰۰ |
| معاشیات | حبیب الرحمٰن | ۳/۰۰ |
| چنگیز (ڈرامہ) | محمد فضل الرحمٰن | ۳/۰۰ |
| گوتم بدھ (منظوم سوانح حیات) | " | ۱/۰۰ |
| سقراط (ڈرامہ) | " | ۱/۲۵ |
| زندگی کے کھیل (ڈرامے) | بیگم صالحہ عابد حسین | ۲/۵۰ |
| ابتدائی سماجی لسانیات | فاطمہ شجاعت | ۳/۰۰ |
| شخصیات اور واقعات جنھوں نے مجھے متاثر کیا | | ۵/۰۰ |
| سرسید بے نظیر (جان صاحب) | مرتبہ اثر رام پوری | ۲/۵۰ |
| اسباب بغاوت ہند | سر سید احمد خاں | ۲/۰۰ |
| "اردو ادب" (آزاد نمبر) | مرتبہ آل احمد سرور | ۵/۰۰ |
| آتش گل | جگر مرادآبادی | ۶/۰۰ |
| منٹو کے بہترین افسانے | ایم حبیب خاں | ۴/۲۵ |
| مکاتیب سرسید | مشتاق حسین | ۶/۵۰ |
| حالی کا سیاسی شعور | جذبی | ۴/۵۰ |
| مقدمہ کلام آتش | خلیل الرحمٰن اعظمی | ۳/۷۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ہندی ساہتیہ برائے ایم۔ اے | شعبۂ اردو | ۲/۰۰ |
| انتخاب نظم و نثر فارسی ایم۔ اے | " | ۳/۰۰ |
| فکر و ادب | ولی محمد اصغر | ۳/۵۰ |
| اردو نثر برائے بی۔ اے | شعبۂ اردو | ۲/۷۵ |
| اردو نظم بی۔ اے | " | ۱/۰۰ |
| اردو شاعری بی۔ اے | " | ۲/۲۵ |
| ابتدائی اردو نصاب بی۔ اے | " | ۱/۲۵ |
| ابتدائی اردو نصاب برائے یونیورسٹی | " | ۱/۰۰ |
| اردو نثر | " | ۱/۵۰ |
| انتخابات نظم | " | ۱/۲۵ |
| [illegible] گزشتہ | جوش ملسیانی | ۱۰/۰۰ |
| جنون و ہوش | " | ۳/۰۰ |
| ہفت رنگ | عرش ملسیانی | ۳/۰۰ |
| تلامذہ غالب | مالک رام | ۷/۵۰ |
| نوید گل | سعادت نظیر | ۰/۶۰ |
| پھول اور کلیاں | " | ۰/۶۰ |

انجمن ترقی اردو ہند۔ علی گڑھ

اداریہ

# انجمن کا صدر دفتر

مولوی عبدالحق ۱۹۳۸ء میں انجمن کا صدر دفتر اورنگ آباد سے دہلی لے آئے تھے۔ اس طرح انجمن ہندوستان کے صدر مقام سے اردو کی تحریک کی قیادت کر سکتی تھی۔ ۱۹۴۷ء میں جب دہلی کے ہنگامے میں انجمن کے دفتر پر حملہ ہوا تو یہ بات واضح ہو گئی کہ ان حالات میں انجمن کی سرگرمیاں دہلی سے جاری نہ رہ سکتی تھیں۔ چنانچہ مولانا آزاد کے مشورے سے ڈاکٹر ذاکر حسین نے جو انجمن کے صدر رہے تھے، دفتر علی گڑھ منتقل کر دیا اور سلطان جہاں منزل کے ایک حصے کو کرائے پر لے کر وہاں کام شروع کرایا۔ اب گنگا میں بہت پانی بہہ چکا ہے۔ بہت سے لوگ محسوس کرتے ہیں کہ مرکز کو پھر دہلی لے جانا چاہئے۔ حکومت ہند نے گزشتہ سال انجمن کے کاموں کی جانچ کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی تھی تاکہ اس کی سفارشوں کی روشنی میں انجمن کی مزید امداد کی درخواست پر غور کرے۔ کمیٹی نے انجمن کے کام کو سراہا اور سالانہ امداد میں اضافے کی سفارش کی۔ اس نے یہ سفارش بھی کی کہ انجمن کے دفتر کو دہلی منتقل کر دینا چاہئے اور نئی دہلی میں ایک مناسب قطعہ اراضی لے کر اس پر غالب ہاؤس کے نام سے انجمن کا دفتر قائم کرنا چاہئے۔ انجمن کی مجلس عاملہ نے اس تجویز کو بخوشی منظور کر لیا ہے اور زمین اور عمارت کے لئے گرانٹ کی درخواست دے دی ہے۔ بہرحال اب یہ طے ہے کہ جیسے ہی سارے انتظامات مکمل ہوں گے مرکز کا دفتر دہلی منتقل ہو جائے گا۔ علی گڑھ نے انجمن کی بڑے آڑے وقت میں مدد کی اور انجمن علی گڑھ کا یہ احسان کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ لیکن انجمن کی ترقی اور اردو کی تحریک کے پھیلاؤ اور اس کے لئے کاموں کی تنظیم کے لئے دہلی علی گڑھ سے زیادہ موزوں ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہماری زبان کے پڑھنے والے انجمن کے اس فیصلے کا خیر مقدم کریں گے۔ ابھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دفتر کے منتقل کرنے میں کتنا وقت لگے گا۔ بہرحال زمین حاصل کرنے اور عمارت بنانے میں کچھ وقت ضرور لگے گا۔

## سہ لسانی فارمولا

بڑے وزیروں کی جو کانفرنس گزشتہ سال دہلی میں ہوئی تھی اس میں یہ طے ہوا تھا کہ قومی یک جہتی کے لئے سہ لسانی فارمولے پر تعلیم کی ثانوی منزل میں عمل کرنا ضروری ہے۔ سہ لسانی فارمولا اپنی جگہ صحیح ہے۔ مگر اس میں مادری زبان، علاقائی زبان اور انگریزی تینوں کی گنجائش ہونی چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سہ لسانی فارمولے میں کلاسیکل زبانوں مثلاً سنسکرت کی تو گنجائش ہو اور جدید زبانوں مثلاً اردو کی نہ ہو۔ اُتر پردیش میں یہ خطرہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ ہندی، سنسکرت اور انگریزی پر زور ہوگا۔ اس طرح قومی یک جہتی بڑے گی نہیں گھٹے گی۔ ہونا یہ چاہئے کہ ہندی سب کے لئے لازمی ہو، اس کے بعد لوگوں کو اختیار ہو کہ وہ کوئی جدید ہندوستانی زبان مثلاً اردو، بنگالی، پنجابی لے سکیں۔ اس کے بعد وہ انگریزی یا اس کی جگہ کوئی کلاسیکل زبان مثلاً سنسکرت لے سکیں۔ قومی یک جہتی کے لئے ضروری ہے کہ لسانی اقلیتیں مطمئن ہوں۔ ایسا کوئی قدم نہ اٹھانا چاہئے جس کی وجہ سے اقلیتوں کو بے اطمینانی ہو اور انھیں یہ ڈر پیدا ہو کہ ان کی زبان کی تعلیم کے راستے میں روڑے اٹکائے جا رہے ہیں۔ اس معاملے میں اب تک جو زیادتی ہوئی ہے اُسے لسانی اقلیتوں کے کمشنر اور بعض ریاستی وزیروں نے تسلیم کیا ہے اور وعدہ داری نیچے کے کارکنوں پر رکھی ہے۔ اس سے ہمیں اطمینان نہیں ہوتا۔ اوپر کے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ احکام کی اس طرح تعمیل کرائیں کہ ان کی روح باقی رہے۔ انتظامی دشواریوں کا احساس کرتے ہیں، مگر انتظامی دشواریوں کے نام پر اصول کا خون کرنا جمہوریت کا خون کرنا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ سہ لسانی فارمولے کی جو بھی وضاحت ہو اس میں لسانی اقلیتوں کے حقوق کا پورا پورا لحاظ کیا جائے۔

## اُردو کے دو ممتاز ادیبوں کو خطاب

ہمیں خوشی ہے کہ یوم جمہوریہ کے موقع پر مرکزی حکومت کی طرف سے خطابات کا جو اعلان ہوا ہے اس میں اُردو کے دو ممتاز ادیبوں کے نام بھی ہیں۔ حضرت نیاز فتح پوری اور حضرت اثر لکھنوی نے اُردو ادب کی جو خدمت کی ہے وہ ارباب نظر سے پوشیدہ نہیں۔ اُردو ادب ان حضرات کے احسانات سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ نیاز نہ صرف ایک بڑے انشا پرداز، صحافی، فاضل، نقاد اور ادیب ہیں بلکہ وہ اپنی ذات سے ایک انجمن بھی ہیں۔ اُن کے رسالے نگار نے اُردو ادب کی بڑی خدمت کی ہے۔ اُن کی کتاب من و یزدان اردو نثر کا ایک کارنامہ ہے۔ انھوں نے ادب میں بُت شکنی بھی کی ہے اور بُت گری بھی۔ اُن کے اس اعزاز سے ہمیں خوشی ہے کیونکہ اس طرح یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری حکومت اُردو ادب کی عظمت کا اعتراف کر رہی ہے۔ حضرت اثر نہ صرف اس دور کے ممتاز شاعر ہیں بلکہ ایک ایسے نقاد ہیں جو قدیم رنگ کے دلدادہ ہوتے ہوئے نئے میلانات و اثرات سے کبھی روگرداں نہیں ہوئے۔ اُردو زبان کے الفاظ اور محاوروں پر جتنی گہری نظر اُن کی ہے شاید ہی کسی اور کی ہو۔ میر کی عظمت غالب کی عظمت کے سامنے کچھ دب گئی تھی۔ اثر کا یہ احسان ہے کہ انھوں نے میر کے حقیقی رتبے سے اُردو دنیا کو اچھی طرح واقف کیا۔ اُن کا تازہ کارنامہ فرہنگ اثر اُن کی نظر کی گہرائی کا بڑا اچھا نمونہ ہے۔

کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت اُردو کی کتابوں پر انعام دے کر یا کچھ ادیبوں کو اعزاز عطا کر کے، اُردو دنیا کو بہلا رہی ہے تاکہ اُردو کی تعلیم کے سلسلے میں اس کی جو کوتاہی ہے اُسے لوگ نظر انداز کر دیں۔ یہ غلط بات ہے۔ ہر اچھے اقدام کو سراہنا چاہئے اور اس کے غلط معنی نہ لینے چاہئیں۔ حکومت اچھی بات کرے تو اس کی تعریف کرنا چاہئے، اس کوتاہی کو کبھی معاف نہیں کرنا چاہئے۔

## داونگرہ سٹی (میسور سٹیٹ) میں "بزم ادب" کا قیام

داونگرہ سٹی (میسور سٹیٹ) کی تاریخ میں پہلی بار ۱۰ جنوری ۱۹۶۲ء کو چند شعرا و ادبا اور کئی ادب نواز کرم فرماؤں کی کاوشوں سے ایک ادبی ادارہ "بزم ادب" کے نام سے قائم کیا گیا۔

اس افتتاحیہ جلسے کے صدر جناب مولوی محمد غوث پیر صاحب (اُردو منشی) جوکہ اس ادارہ کے صدر بھی ہیں جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے اُردو کی اہمیت اور اس کی ترقی و ترویج کے سلسلے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے یہ اپیل کی کہ جلسہ کا ہر فرد ہر سامع اپنے تمام دوست و احباب اور تمام حلقے کے ساتھ اس ادارہ کی رکنیت حاصل کر کے ہر طرح کی خدمت کرنے میں پیش پیش رہے۔ اس ادارہ کا قیام بدلتے ہوئے ماہ و سال کے ساتھ ایک ایسے مدرسے اور ایک ایسی یونی ورسٹی کا قیام ہے جس کے گوشے گوشے میں ہر رنگ کے اردو ادبا، صحافی، شعرا اور مقررین نظر آئیں گے۔

جناب عبدالعظیم خاں صاحب بی اے بی ٹی (اُردو اسکول انسپکٹر) نے اپنی افتتاحیہ تقریر میں اُردو زبان کی ابتدائی تاریخ بیان کرتے ہوئے داونگرہ کے ادب نواز حضرات کو مشورہ دیا کہ اس زبان کی نشو و نما میں دامے، درمے، قلمے و سخنے حصہ لیں۔

جناب عبدالقدوس صاحب کمال جو اس ادارہ کے نائب صدر ہیں "بزم ادب" کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس ادارے کا واحد مقصد داونگرہ کے اُبھرتے ہوئے فن کاروں کی حوصلہ افزائی کرنا، جگہ جگہ اردو دارالمطالعہ قائم کرنا، اور یہاں کی بگڑی ہوئی اُردو زبان کو درست کرنا ہے۔

حاضرین جلسہ نے بزم ادب کے حسب ذیل عہدے دار اور اراکین منتخب کئے۔

صدر - جناب مولوی غوث پیر صاحب، نائب صدر - جناب عبدالقدوس صاحب کمال، معتمد - سید محمود صاحب، شریک معتمد اور خازن - جناب بی عبدالقدوس صاحب، ناظم نشر و اشاعت جناب ساحل رشید۔

اراکین: محمد حیات صاحب - آر ایم رحمت اللہ صاحب - کی عبدالقادر صاحب - ایچ ایم سلیمان صاحب - کے عبدالعزیز صاحب اور عبدالغفور صاحب ہیں۔

(معتمد بزم ادب)

## فرینڈس سوسائٹی، آگرہ

سال گزشتہ کی طرح اس سال بھی فرینڈس سوسائٹی کی جانب سے مقالہ نویسی کا انعامی مقابلہ منعقد کیا جا رہا ہے۔ اس مقابلے میں ہر ہندوستانی شہری اپنا مقالہ بھیج سکتا ہے۔ مقابلہ میں کامیاب ہونے والوں کو مولانا آزاد مرحوم کی تصانیف انعامات میں پیش کی جائیں گی۔

تفصیلات:

۱۔ مقالہ مندرجہ ذیل عنوانات میں سے کسی ایک پر ہونا چاہیئے۔

(ا) مولانا آزاد بحیثیت ادیب و صحافی۔ (ب) بحیثیت سیاستداں و مفکر۔ (ج) بحیثیت انسان۔

۲۔ مقالہ اُردو زبان میں ہونا چاہیئے۔

۳۔ مقالہ کم از کم ایک ہزار الفاظ پر مشتمل ہونا چاہیئے اور فل اسکیپ کاغذ پر ایک جانب لکھا ہونا چاہیئے۔

۴۔ مقالہ وصول ہونے کی آخری تاریخ ۱۵ فروری ۱۹۶۲ء ہے۔

۵۔ مقالات الیاس احمد خاں بی اے لٹریری آرگنائزر "فرینڈس سوسائٹی" چھم چھم گلی، آگرہ کے پتہ پر آنے چاہئیں۔

۶۔ نتائج کا اعلان مقامی و بیرونی اخبارات میں کیا جائے گا۔

(ایم اے مبینت۔ فرینڈس سوسائٹی۔ ایم اے آگرہ)

## لکھنؤ میں ادبی نشست

۲۹ جنوری کو ایک ادبی نشست پروفیسر احتشام حسین صاحب کے مکان پر حضرت اختر تلہری کی صدارت میں ہوئی جس میں جناب علی عباس حسینی نے اپنا افسانہ "سکریٹری" اور جناب محمود الحسن رضوی نے اپنا مقالہ "اُردو کا مسئلہ" سنایا۔

جناب اختر تلہری، جناب نہال رضوی، جناب یوسف سرسوی، جناب غلام اصغر اور سخی احمد صاحب نے اپنا کلام بھی سنایا۔

(کنوینر)

## یوتھ اُردو ایسوسی ایشن، تاتارپور

یوتھ اُردو ایسوسی ایشن بھاگلپور کی ۳۵ ویں ادبی نشست ۲۲ جنوری ۱۹۶۲ء کو منعقد ہوئی۔

جناب شمس الزماں شمس کی ایک معلوماتی تقریر سے کارروائی کا آغاز ہوا۔ افسانوں میں تسنیم کوثر، رفیق الزماں، سید مبشر احمد نے افسانے پڑھے جن مقصود صاحب نے "عمر خیام کی شاعری میں زندگی کا تصور" اور سید فضل رب نے "بہار میں اُردو صحافت" مقالے سنائے۔ پروفیسر شاہین غازیپوری، شمس الزماں شمس اور مشتاق علی شاہد صاحبان نے غزلیں اور نظمیں سنائیں۔

(تسنیم کوثر، سکریٹری)

## مئو کی بزم ادب کا سالانہ جلسہ

بزم ادب مئو کا سالانہ انتخابی جلسہ ۶ جنوری کو منعقد ہوا۔ کارروائی کا آغاز فضا ابن فیضی کی مختصر تقریر سے ہوا۔ آپ نے اپنی تقریر میں شاعروں اور ادیبوں کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی۔ سکریٹری نے سال گزشتہ کی کارگزاری پڑھ کر سنائی اور بزم کی سرپرستی کے لئے مولانا فضل الحسن فیض اور مسعود علی انصاری سے گذارش کی گئی جس کو ان دونوں نے بخوشی منظور فرما لیا۔ سال رواں کے لئے مندرجہ ذیل عہدے داروں کا انتخاب باتفاق رائے عمل میں آیا۔

صدر - فضا ابن فیضی، نائب صدر - حبیب اللہ تبسم اور حکیم انجم، جنرل سکریٹری - اختر انصاری، نائب سکریٹری - غنی احمد غنی، ماہر انصاری، خازن - مسعود علی انصاری، پروپگنڈہ سکریٹری - سردار شفیق۔

(پروپگنڈہ سکریٹری بزم ادب مئو - سردار شفیق)

# نظم

ڈاکٹر اختر اورینوی

## مدفنِ آرزو

نہ ادا میں مزا نہ لذتِ ناز
ہے دل کے سفر کی راہ دراز
عالم کی دکان اُداس اُداس
شہپر نغم کی دبے کھینے پرواز
ماہ و انجم کی محفلوں کا سکوت
ایک ماتم سرا ہے بے آواز
درد جاں سوز سے ستارے خموش
چاندنی میں گھلا ہے دل کا گداز
چاند تھک کر ہوا نڈھال نڈھال
راستہ کہکشاں کا دور دراز
یہ خلا کی اتھاہ تاریکی
چپ ہوئے کانپتی لووں کے ساز
دل ستارہ تھا بجھ گیا آخر
مدفنِ آرزو ہے سینۂ راز
گوشۂ دل یا کائنات تمام
بے کراں درد یا یا بندہ نواز
مہر و انجم کی چشمکوں سے ہوا
دلِ ناداں کے شوق کا آغاز
چاند تاروں میں بھی پکار آیا
کون جانے کہاں ہے وہ طناز
چور ہوں میں شکستہ پائی سے
پھیلئے بھی کمندِ زلفِ دراز
دلِ آخر سالک کے راکھ ہوا
نہ ہوا اور تھا کبھی بھی باز

فیض الحسن خیال

## تتلی

اب نہ آؤں گا کبھی میں تجھ سے ملنے کے لئے
پھر ملنے دوست تو مجھ سے نگاہیں پھیرے
تو تماشا ہے مرے دل کی مرا دل تو نہیں
بھول جا دیا تیری کوئی مشکل تو نہیں
مجھ سے بڑھ کر ہے زمانہ تو ہی کسی کا ہمدم نہیں
اور بھی غم ہیں مجھے تیرا اکیلا غم نہیں
یوں سمجھ لوں گا تجھے میں نے کبھی پایا نہ تھا
گیت تیرا جھوم کر میں نے کبھی گایا نہ تھا
یوں سمجھ لوں گا مجھے تجھ سے محبت ہی نہ تھی
زندہ رہنے کیلئے تیری ضرورت ہی نہ تھی
تو مری خلوت کا مونس تھا نہ جلوت کا حبیب
یوں سمجھ لوں گا کبھی پہنچے نہ تھے میرے نصیب

اسرار اکبر آبادی

## موت

رات کے اندھیرے میں
مجھ کو ایسا لگتا ہے
جیسے بامِ گردوں پر
ایک کالی پرچھائیں
دھیرے دھیرے آتی ہے
اور وہ اشارے سے
مجھ کو پاس بلاتی ہے

# غزل

شہاب سرمدی

عشق ظالم و لیکن دُکھ دائی تو ہے
پھر بھی جینے میں توانائی تو ہے
دیکھیں کیا ہو اس جسارت کا مآل
آج جنوں پہ ہنسی آئی تو ہے
بوئے گل یا موجِ کلیوں کی باس
کچھ نہ کچھ بادِ صبا لائی تو ہے
روزنِ در و رخنۂ دیوار سے
رُکتے رُکتے روشنی آئی تو ہے
زندگی اب آ گئے جو چاہے کرے
کچھ طبیعت راہ پر آئی تو ہے
شوق بے آرام نے اچھا کیا
اب ذرا فکرِ شکیبائی تو ہے
حسن کی تصویر صندلی ہی سہی
چاند سے دل میں اُتر آئی تو ہے

اقبال ردولوی

یوں لطف سیر پیرو رد چمن پر چڑھی ہے
گویا کہ گلستاں پہ گھٹا جھوم رہی ہے
اس ساقیِ فیاض سے چلے دورِ صبوحی
جلنے سے دھواں دھار گھٹا آج اٹھی ہے
اے دوست حقائق کا پتہ چل نہیں سکتا
جب تک کہ ہو شوق میں دیوار خودی ہے
شاید کہ اڑا لائی تری زلف کی خوشبو
کچھ ہوش سے بیگانہ نسیمِ سحری ہے
جو عقل سے باہر تھے گئے راز وہ افشا
اے دوست بڑا کام جنونِ تشنہ لبی ہے

---

راہی قریشی ایم اے

دل کا سوز نہاں بیاں نہ ہوا
کوئی بھی میرا ہم زباں نہ ہوا
قتل ہوتا رہا خلوص مگر
دوستوں سے میں بدگماں نہ ہوا
ہیں سبھی پاسبانِ دیر و حرم
کوئی انساں کا پاسباں نہ ہوا
ساتھ چلتا رہا زمانے کے
میں کبھی گردِ کارواں نہ ہوا
غم تو یہ ہے کہ کوئی بھی راہی
میرے غم کا مزاج داں نہ ہوا

---

فرحت القادری

وادیِ اہلِ دل جنوں کے گذر گئے
دیکھنے والے حیرت سے دیکھا کئے
ہم کو مرتے رہے مر کے جیتے رہے
ہم نے تیرے لئے کام کیا کیا کئے
ربط باہم سے واقف نہ ہوتا کوئی
بے رُخی نے تری راز افشا کئے
اک زمانہ ادھر ہوش بیٹھا اُٹھا جنوں
حشر کیا کیا خرد نے نہ برپا کئے
فرحت مست کو اک زمانہ ہوا
اپنا بزمِ جم و جام و صہبا کئے

ڈاکٹر وحید اختر

# قومی وحدت اور اُردو

ٹیگور نے اپنی ایک نظم میں لکھا ہے کہ "میں ہندوستان کے ان قدیم باشندوں کی تہذیبی روایات کا وارث ہوں جو آریوں سے قبل اس دیش میں رہتے تھے۔ میری رگوں میں آریوں کا بھی خون ہے اور مغلوں اور پٹھانوں کا لہو بھی میرے جسم کا جز ہے۔" ان سطروں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک ادیب اور شاعر، قومی اور تہذیبی مسائل پر کس انداز میں سوچ سکتا ہے۔ آج سے زیادہ کبھی اس قومی نقطۂ نظر پر زور دینے کی ضرورت نہ تھی۔ برطانوی تسلط کے دور میں ہمارے ذہنوں کی اس طرح تربیت کی گئی کہ ہم نے اس نقطۂ نظر کا دامن ہی ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ آج ہمیں اپنے ملک میں اکثریت ایسے لوگوں کی ملے گی جو اپنے مذہب کو اہمیت دیتے ہیں۔ پھر صوبائی حد بندیوں کی اصطلاح میں سوچتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگ بہت کم ملیں گے جو اپنے کو اور کچھ سمجھنے سے پہلے ہندوستانی سمجھیں۔ ہندوستان میں سچے ہندوستانی سب سے چھوٹی اقلیت ہیں۔ اسی لئے اس مسئلے پر آج سوچنے کی ضرورت ہے کہ قومی وحدت کے تصور کو کس طرح عام کیا جائے۔ مختلف سیاسی پارٹیوں کے قائدین کے ذہن میں بھی قومی وحدت کا محض ایک مجرد تصور ہے۔ اور اکثر صورتوں میں اس تصور کا عمل عملی زندگی اور سیاست میں دور دور تک نظر نہیں آتا ابھی دلی کی قومی وحدت کانفرنس کے اراکین فرقہ پرستی کی مختلف صورتوں پر غور کر کے اُٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ فرقہ وارانہ فسادات کی آگ پھیل گئی اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ہمارے ملک کی سیاست میں ایسے گروہ اور افراد موجود ہیں جو قومی وحدت کے تصور کو بھی اپنے وقتی مفاد کے لئے خطرناک سمجھتے ہیں۔ دو قومی نظریہ کے تحت پاکستان بنوا دیا گیا ہندوستان جو ایک تہذیبی وحدت تھا دو حصوں میں بٹ گیا۔ لیکن اب بھی آزاد جمہوری اور غیر مذہبی ہندوستان میں تمام علاقوں، زبانوں اور فرقوں کے افراد اپنے آپ کو تہذیبی اور قومی وحدت کی اکائی سے ہم آہنگ نہیں کر پائے ہیں۔ حالانکہ یہ مسئلہ جس کی اہمیت کو اب محسوس کیا گیا ہے۔ پلاننگ کے تعمیری منصوبوں پر بھی فوقیت رکھتا تھا جب تک ہندوستان کے تمام باشندے اپنے کو ایک وحدت نہ سمجھیں اس وقت تک پلاننگ کے نتائج سے پورے ملک کا بہرہ مند ہونا بھی دشوار ہے۔ جس زمین میں فرقہ پرستی کا زہر موجود ہے وہاں جو فصل اُگے گی اس کے ثمرات زہریلے ہی ہوں گے۔ پھر فرقہ پرستی کی ایک ہی شکل نہیں۔ نہ جانے کتنے ہی ایسے بت ہیں جن کو ہم اپنے دلوں میں جگہ دے کر ان کی پرستش کرتے ہیں۔ لسانی فرقہ پرستی، مذہبی فرقہ پرستی، ذات پات کی فرقہ بندی، سیاسی پارٹیوں کی فرقہ بندی۔ اگر آپ سوچیں تو فرقہ پرستی کی اور سیکڑوں صورتیں نظر آئیں گی۔ ان تمام تنگ نظریوں کو توڑ کر اور دل سے نکال کر لوگوں میں قومی اور تہذیبی یکجہتی کے مشترکہ تصور کو اس کی جگہ دینا ایک ایسا عمل ہے جس کے لئے دلوں کی تسخیر کی ضرورت ہے۔ صدیوں سے بنے ہوئے سوچنے کے سانچوں کو توڑ کر تعصب و نظر کو نئی دنیا کے سائنٹیفک تصور سے آگاہ کرنے کا کام آسان نہیں ہو سکتا جب تک کہ باشعور اور پڑھا لکھا طبقہ اس مقدس کام میں اپنی ذمہ داریاں اور فرائض کو محسوس کر کے انھیں پورا کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔

ہم کم سے کم نظری لحاظ سے یہ مانتے ہی آئے ہیں کہ ادیب، قوم و ملک کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے۔ وہ ان کا ترجمان بھی ہوتا ہے اور ان کا ضمیر اور مصلح بھی۔ ادب، جذبات کی سطح پر دلوں کو متاثر کرتا ہے اسی لئے اس کی اپیل سائنس اور فلسفے سے زیادہ ہمہ گیر ہوتی ہے۔ ادب کی اس عام مقبولیت کو دیکھتے ہوئے یہ سمجھنا دشوار نہیں کہ قومی وحدت کے تصور کو عام کرنے میں جتنی ذمہ داری ہندوستان کی تمام زبانوں کے ادیبوں اور شاعروں پر ہے اتنی اور کسی گروہ پر نہیں ارباب سیاست اپنا فرض جانیں مگر ادیب کا پیغام محبت ہے اور یہ پیغام محبت اسی وقت اثر کر سکتا ہے جب نفرت، تعصب اور جہالت کا زہر دلوں سے نکال دیا جائے۔ ہمارے یہاں تعلیم یافتہ طبقے میں بھی اکثریت ایسے ہی افراد کی ہے جو اب تک قرونِ وسطیٰ کی اصطلاحات میں سوچتے ہیں اور آج کے مسائل کو اسی روشنی میں سلجھاتے یا اُلجھاتے ہیں۔ سائنسی فکر و نظر اور رویہ ان ملکوں میں بھی اب تک عام زندگی اور تہذیب کا اٹوٹ حصہ نہیں بن سکا ہے، جہاں سائنس، ٹکنالوجی اور صنعت کو زبردست فروغ حاصل ہوا ہے۔ ایشیا کے پس ماندہ ملکوں میں جو صدیوں بیرونی سامراج کے استحصال اور غلامی کا شکار رہے ہیں اس نقطۂ نظر اور رویے کے عام ہونے میں تو اور دیر لگے گی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور یہ امید رکھیں کہ مردے از غیب برون آید و کارے بکند کے مصداق کبھی نہ کبھی ایسا انقلاب خود بخود آ جائے گا۔ تہذیبی ترقی میں ایسے انقلابات خود بخود نہیں آتے ان کے لئے ذہن اور دل کو مسلسل بدلنے کی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ اسی لئے آج ادیبوں پر سب سے بڑی ذمہ داری یہ عائد ہوتی ہے کہ وہ اس مسئلے پر نہ صرف سوچیں بلکہ لکھیں اور قومی یکجہتی پیدا کرنے میں اپنے فرائض کو محسوس کریں۔

خوش قسمتی سے اُردو زبان و ادب میں ایسی تہذیبی روایات تاریخی تسلسل کے ساتھ ملتی ہیں جن کو سامنے رکھ کر ہم ان پرانے چراغوں سے آج کے ماحول کے لئے نئے چراغ روشن کر سکتے ہیں۔ امیر خسرو ہندی اور اُردو کی اس مشترکہ بنیاد کے شاعر ہیں جس پر ان دونوں زبانوں کے ادب کا محل تعمیر ہوا۔ خسرو کی مقبولیت کو پنڈت جواہر لال نہرو نے "تلاش ہند" DISCOVERY OF INDIA میں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دنیا کی تاریخ ادب میں خسرو کے علاوہ کوئی ایسی مثال نہیں مل سکتی کہ ایک شاعر کے اشعار بغیر کاغذ اور قلم کی مدد کے صدیوں عوام کے دلوں میں محفوظ رہے ہوں۔ خسرو ہماری تہذیب کی تاریخ میں ہندی اور اردو کے امتزاج و وحدت ہی کی علامت نہیں بلکہ تصوف اور بھگتی کے مشترکہ عناصر کی بھی علامت ہیں اور صوفی مشرب میں اسلام اور ہندوستانیت کے باہم دگر ربط و تعلق کے نمائندہ ہیں۔ وہ نظام الدین محبوب الٰہی کے مرید اور عاشق زار تھے۔ وہ نظام الدین جنھوں نے اپنے مخاطبوں کے اس مجمع سے جس میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل تھے یہ کہا تھا کہ

تم لوگ میرے قریب آجاؤ۔ دھوپ تم پر پڑ رہی ہے، اور اس کی حدت کو میں اپنے دل میں محسوس کر رہا ہوں۔ اس طرح خسرو ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کی انسان دوستی کی اس روایت سے بھی گہرا تعلق رکھتے ہیں جو تصوف اور بھگتی کی مذہبی تحریک بن کر صدیوں ہمارے ملک کی مقبول ترین تحریک رہی ہے۔ جس زمانے میں اُردو بن رہی تھی اسی زمانے میں ہندی ادب و شاعری کو ملک محمد جائسی اور رحیم بھی کبیر اور سور داس کے ساتھ سنوار رہے تھے۔ کبیر کے متعلق تو آج تک یہ فیصلہ نہیں ہو سکا کہ وہ ہندو تھے یا مسلمان، دونوں ان کو اپنا کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور عام روایت یہ ہے کہ جب ان کے آخری مراحل کی تکمیل پر ہندوؤں اور مسلمانوں میں تکرار شروع ہوئی تو اس مسئلے کو کبیر کی لاش نے یوں حل کیا کہ جب چادر ہٹائی گئی تو وہاں انسانیت کے اس مجسمے کی لاش کی جگہ کچھ پھول ملے۔ آدھے پھول مسلمان لے گئے اور آدھے ہندوؤں کے حصے میں آئے۔ ہمارے ملک کی تہذیبی روایات آج بھی انھیں پھولوں سے مہک رہی ہیں۔ ان روایات پر اُردو کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا ہندی کا۔ یہی روایت کا تسلسل ہے کہ جب مرزا مظہر جانجاناں سے، جو اپنے دور کے عظیم ترین صوفی اور عالم دین سمجھے جاتے تھے، اس مضمون پر دستخط لینے کی کوشش کی گئی جس میں یہ فتویٰ دیا گیا تھا کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ہندوؤں سے جہاد کریں تو مرزا جانجاناں نے اپنے مذہبی تشخص کے باوجود یہ جواب دیا تھا کہ "ہندو بھی موحد ہیں اور مسلمانوں کو ان سے جہاد نہیں کرنا چاہیے" اور یہ بھی اُردو ادب کی شرافت کی روایت ہے کہ انہیں مرزا مظہر کو جب ایک شخص نے قتل کیا تو مرنے سے پہلے اس شاعر نے، جو کہہ چکا تھا سے

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے

اپنے قاتل کو اپنا خون معاف کر دیا۔ مرزا مظہر جانجاناں شاعروں کے اسی سلسلے کی کڑی ہیں جس نے تصوف اور بھگتی تحریک کی انسان دوستی کی روایت کو اُردو ادب کے خمیر میں شامل کیا۔

میں اس موقع پر اُردو تہذیب کی اصطلاح استعمال نہیں کروں گا، اس لئے کہ کچھ انتہا پسند ایسے بھی ہیں جو اس طرح کی اصطلاحات کو بھی لسانی فرقہ پرستی کا ہی شاخسانہ سمجھتے ہیں، پھر بھی اس بات پر اصرار کروں گا کہ جس مشترکہ تہذیب پر ہندوستان کو فخر ہے اور جو مختلف علاقوں اور زبانوں اور مذہبوں کے کلچر میں ربط پیدا کرتی اور اس کثرت کو قومی وحدت کے سانچے میں ڈھالتی ہے وہ اردو ہی کی دین ہے اور اُردو ہی مشترکہ ہندوستانی تہذیب کا بہترین ثمرہ ہے۔ جہاں آپ کو اُردو کے ادیبوں کے یہاں اسلامی نشاۃ ثانیہ کی تحریک میں قوم کی اصطلاح مسلمانوں کے لئے ملے گی، وہیں محمد حسین آزاد ایسے ادیب بھی نظر آتے ہیں جنھوں نے دربار اکبری میں اکبر کی تمام سیکولر روایات کو سراہتے ہوئے یہ تک لکھا ہے کہ اگر اسلام عرب کی بجائے ہندوستان میں اترتا تو یقیناً اس کی شکل مختلف ہوتی۔ اس لئے کہ یہاں کی تہذیبی روایات اس مذہب پر اپنا اثر ضرور ڈالتیں۔ اکبر کے ساتھ دارا شکوہ بھی آزاد کا پسندیدہ ہے جو صحیح معنوں میں اکبر کا جانشین سمجھا جا سکتا ہے۔ جو کام اکبر نے سیاسی اور عام زندگی کی سطح پر کیا تھا وہ دارا شکوہ نے ذہنی اور روحانی سطح پر اپنشد اور قرآن کے تصوف کو باہم آمیز کر کے کیا۔ اُردو ادب کسی زمانے میں بھی وحدت اور تہذیبی اشتراک و امتزاج کی ان روایات سے خالی نہیں رہا۔ اس لئے اُردو ادب میں جہاں اسلامی ہندوستان کی روایات ملیں گی وہیں وہ مہابھارت اور رامائن کی روایات کا بھی آئینہ دار رہا ہے۔ سیاست افرنگ نے ہندوستان کی قومی وحدت کو صوبوں، زبانوں اور مذہبوں کے گروہ بنا کر پارہ پارہ کر دیا تھا۔ لیکن آزادی کی جنگ میں ایک بار پھر تمام مختلف الخیال گروہ اور افراد ایک محاذ پر متحد ہو گئے تھے۔ آزادی کا عظیم مقصد قومی وحدت کی بنیاد بنا رہا اور اُردو نے بھی دوسری زبانوں کی طرح بلکہ بعض حیثیتوں سے زیادہ ہی اس جدوجہد کی خدمت انجام دی۔ آزادی کے ساتھ ہی تقسیم اور فسادات کے تمام حادثات نے ایک بار قومی وحدت کے جذبات کو مجروح کیا، اور انسانیت دوستی کی وہ روایات جو ہندوستان کی ہزار ہا سالہ تہذیب نے ہمارے ادب کو دی تھیں خون میں ڈوب گئیں۔ لیکن اس فضا میں بھی اُردو ادیبوں کی اکثریت نے تعصب اور نفرت سے بچتے ہوئے اپنا ذہنی توازن برقرار رکھا اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آج پھر رجعت پسند اور فرقہ پرست سیاسی پارٹیوں کے بڑھتے ہوئے اثرات نے ہندوستان کی قومی وحدت کو قتل کرنے کی سازش کی ہے۔ ترقی پسند جمہوری اور سیکولر سیاسی ماہرین کے ساتھ ہی ادیبوں کا بھی فرض ہے کہ وہ اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے اپنے ادب اور تہذیب کی روشن اور صحت مند روایات کی روشنی میں فرقہ پرستی کا ہر محاذ پر مقابلہ کریں۔ ہمارا علم، ہمارا ادب، ہماری قومی ترقی کے منصوبے، سوشلسٹ سماج کی تعمیر کے مراحل قومی وحدت کا مطالبہ کرتے ہیں اور اگر آزاد ہندوستان کے ادیب اس ذمہ داری کو محسوس نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ادب اور زبان کی انسان دوستی کی روایات کو قتل ہوتا دیکھنے کے لئے تیار ہیں۔ اس کام کو کس طرح انجام دیا جا سکتا ہے، یہ افراد کی اپنی انفرادی سوجھ بوجھ پر منحصر ہے۔ لیکن بنیادی کام یہ ہونا چاہئے کہ ہم اپنے ادب کی سیکولر، جمہوری اور انسانیت دوستی کی روایات کو زیادہ سے زیادہ پیش نظر رکھیں۔ ادیب کا مذہب انسانیت ہے اور یہی انسانیت تمام مذاہب کا مقصود و مدعا رہا ہے۔ اگر وہ اپنے مذہب انسانیت کے فرائض ادا نہیں کرتا تو وہ سماج اور ملک دونوں کا گناہ گار ہے۔ اس راہ میں دشواریاں ضرور ہیں لیکن دوسروں کو سمجھنے اس سے قریب ہونے اور ان کے ادب کے تراجم کے ذریعے اس کی اچھی روایات کو اپنانے ہی سے ہم اپنے ادب کو قومی وحدت اور ہندوستانیت کے عناصر سے مالا مال کر سکتے ہیں۔ اگر دکنی ادب ہندی اور اُردو کی مشترکہ میراث سمجھا جا سکتا ہے اور امیر خسرو کو دونوں زبانیں اپنانے کا دعویٰ کر سکتی ہیں تو آج کے سائنسی ترقی کے دور میں اُردو ادب تمام ملک کی اچھی روایات کا نمائندہ اور وارث کیوں نہیں بن سکتا؟ ہم کو پہلے انسان اور ہندوستانی بننا ہے اس کے بعد ہی ہم کچھ اور بن سکتے ہیں۔ لوگوں نے خدا بنا ڈالے تو ہم اُردو ادیب انسان کو انسان کیوں نہیں بنا سکتے سے

خدا سازی آذر بُت تراشی ہم اپنے شیخ آدمی تو بنا لیں

[ختم]

مراسلہ

# یادداشت بابت سہ لسانی فارمولا

چیف منسٹروں کی کانفرنس منعقدہ ۱۱ر۱۲ر اگست ۱۹۶۱ء میں تعلیم کے ذریعہ یک جہتی کے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ملک کے ہائر سکنڈری اسکولوں میں سہ لسانی تعلیم کا ایک فارمولا مرتب کیا گیا ہے اس کے مطابق طلبہ کو تین زبانیں حسب ذیل ترتیب سے پڑھنا ہوں گی۔

(الف) ریجنل (علاقائی) زبان اور مادری زبان اگر یہ علاقائی زبان سے مختلف ہو۔

(ب) ہندی یا ان علاقوں میں جہاں ہندی بولی جاتی ہے کوئی ہندستانی زبان (جو دستور ہند کے شیڈول ۸ میں سے منتخب کی جائے گی)۔

(ج) انگریزی یا کوئی اور ماڈرن یوروپین زبان۔

یہ فارمولا جو اپنی ظاہری شکل میں بہت معصوم معلوم ہوتا ہے کسی صوبہ میں شدید انتشار کا باعث بن کر قومی یک جہتی کے مقصد کو یکسر زائل کر سکتا ہے خود اتر پردیش میں جہاں اُردو بولنے والوں کی ایک اہم لسانی اقلیت موجود ہے اور جہاں جذباتی یکجہتی کا مسئلہ ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے یہ فارمولا افتراق کا باعث بن سکتا ہے اس کا اندازہ نیچے دیئے ہوئے اس خاکہ سے ہو سکتا ہے جو یہاں کے ہائر سکنڈری اسکولوں میں (جہاں تک اس سے) عملی صورت اختیار کرکے نمودار ہوگا۔

(الف) فارمولا کے پہلے حصہ کے مطابق تمام اسکولوں میں ہندی رائج ہوگی کیونکہ یہی یہاں کی علاقائی زبان ہے۔ اُردو یہاں کے بہت سے طلبہ کی مادری زبان ہے لیکن زیادہ تر اسکولوں میں اس کا انتظام نہیں کیا جا سکے گا اور اگر کیا بھی گیا تو عام طور پر طلبہ اس لئے قبول نہ کریں گے کہ یہ چوتھی زبان کا بوجھ ہوگا۔

(ب) دوسرے حصہ کے ضمن میں جو زبان نہایت آسانی سے اور بلا کسی مزید خرچ کے شروع کی جا سکتی ہے وہ سنسکرت ہے یہ اس وقت زیادہ تر تعلیمی اداروں میں انٹرمیڈیٹ بورڈ کے قواعد و ضوابط کے تحت جاری کی جا چکی ہے ہندی داں طلبہ کے لئے یہ زبان آسان بھی ہے اور ثقافتی و جذباتی لحاظ سے ان سے قریب تر ہے اس لئے مجوزہ فارمولا سے فائدہ اٹھانا ان کے لئے حق بجانب ہوگا مگر اس سے قومی یکجہتی کا مقصد فوت ہو جائے گا کیونکہ یہاں ملک کی کسی دوسری ریاستی زبان کے سیکھنے کی ہمت افزائی نظر نہیں آتی اس کے برخلاف ایک طرف قومی ذہن مرتب ہونے کا مقصد زائل ہوتا نظر آرہا ہے تو دوسری طرف صوبے کی ایک اہم لسانی اقلیت کے لئے انتشار کا باعث بن رہا ہے کیونکہ یہاں کے زیادہ تر اسکولوں میں ان کو سنسکرت بطور لازمی مضمون کے پڑھنا پڑے گی جس کی وجہ سے وہ شدید دشواری میں مبتلا ہو جائیں گے اور نتیجے میں بے اطمینانی اور ناخوش گواری ہوگی جو ملک کے اعلیٰ مقاصد اور عام مفاد کے لئے مضرت رساں ہوگا۔

(ج) تیسرے حصے کے ماتحت اس صوبہ میں طلبہ عام طور پر انگریزی ہی لیں گے۔ دوسری یورپی زبانوں کے لئے یہاں گنجائش نظر نہیں آتی۔

اس طرح اتر پردیش کے اسکولوں میں زیادہ تر طلبہ کو ہندی، سنسکرت اور انگریزی پڑھنا ہوگی گویا یہ نیا فارمولا اس طرح مرتب کیا گیا ہے کہ سنسکرت کا احیاء اپنے آپ ہو جائے اور اُردو داں طبقہ ایک نئی دشواری میں مبتلا ہو جس کی شکل کچھ اس طرح نظر آرہی ہے۔

(۱) اگر وہ اپنی مادری زبان (اُردو) کی تعلیم بھی حاصل کرنا چاہتا ہے تو بجائے تین زبانوں کے چار زبانوں کا بوجھ اختیار کرنا ہوگا۔

(۲) اگر فارمولا کے ضمن (ب) کے تحت بحیثیت ایک ہندستانی زبان کے اُردو منتخب کرتا ہے تو اُسے مادری زبان کے حق سے دست بردار ہونا پڑے گا۔

(۳) اُردو کی تعلیم دینے والے اسکول اتر پردیش میں بہت کم ہو چکے ہیں مگر اُردو مادری زبان والے طلبہ کی اکثریت اب بھی ہندی مادری زبان والے اداروں میں تعلیم پا رہی ہے ان اداروں میں وہ سنسکرت پڑھنے کے لئے مجبور ہوں گے۔

ایسی حالت میں اُردو والے طلبہ کی حالت قابل افسوس ہوگی کیونکہ ان کو اپنے ساتھیوں کے مقابلہ میں برابر کی تعلیمی سہولت حاصل نہ ہوگی اور وہ کبھی اس قابل نہ ہو سکیں گے کہ میدان عمل میں اپنے ہندی داں ساتھیوں کے دوش بدوش چل سکیں۔ یقیناً یہ برتاؤ ان کے لئے غیر منصفانہ اور مروت سے خالی ہوگا۔ اس لئے پیش نظر لسانی فارمولا پھر سے مرتب ہونا چاہیے تاکہ یکجہتی کے مقاصد کو فروغ پہنچے اور بے اطمینانی، بے انصافی اور انتشار کا دروازہ بند ہو۔ ذیل میں فارمولا کی ایک ایسی ترمیم شدہ شکل پیش کی جاتی ہے جو ان مقاصد اعلیٰ کی حامل ہو سکے جن کی اس وقت تمام ملک کو ضرورت ہے اور جن کو حاصل کرنا ہندوستان کے ہر شہری کا نصب العین ہونا چاہیے۔

ترمیم شدہ فارمولا ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

(الف) فارمولا کے ضمن (الف) میں صرف علاقائی زبان ہونا چاہیے (جو کہ اُتر پردیش میں ہندی رہے گی)۔

(ب) ضمن (ب) میں عام طور پر ہندی پڑھائی جائے گی لیکن ان علاقوں میں جہاں ہندی بولی جاتی ہے طلبہ کو جملہ ہندستانی زبانوں میں سے ایک لینا پڑے گا بشرطیکہ یہ زبان کسی دوسری ریاست میں بولی جاتی ہو یا وہ کوئی ایسی زبان لے سکے گا جو کسی لسانی اقلیت کی زبان ہو یا خود اس کی مادری زبان ہو۔

(ج) ضمن (ج) میں انگریزی۔

اس فارمولا سے جو نتائج برآمد ہوں گے وہ یقیناً قابل اطمینان اور قومی و جذباتی یکجہتی کے منشا کے مطابق ہوں گے کیونکہ اس کی رو سے طلبہ کے درمیان تعلیمی نابرابری نہ رہے گی ان کو یہ موقع حاصل ہوگا کہ وہ ملک کی کسی دوسری ریاست کی زبان سیکھ کر ان سے قریب تر ہو سکیں اور اس سے کہیں زیادہ مفید یہ ہو سکے گا کہ وہ خود اپنی ریاست میں رہنے والی لسانی اقلیتوں سے قریب تر ہو کر یکجہتی کی فضا کو ہموار کریں۔ اور جہاں علاقائی زبان کے علاوہ کوئی دوسری مادری زبان بھی بولی جاتی ہے۔ مثلاً اتر پردیش میں اُردو۔ تو یہاں ان کو یہ حق بھی حاصل ہوگا کہ وہ اپنی مادری زبان سیکھنے کے حق کو برقرار رکھ سکیں۔ اس طرح اس شدید انتشار اور بحران کو جو موجودہ فارمولا سے رونما ہونے والا ہے، مناسب طور پر روکا جا سکے گا۔

(سید محمد شاہد فاخری ایم ایل سی۔ ڈاکٹر اشتیاق احمد۔ انعام الحق ایڈوکیٹ۔ محمد اسحٰق۔ قمر الدین انصاری۔ ڈاکٹر عابد حسین خاں۔ محمد عبد الرزاق خاں۔ محمد عاقل (آرگنائزر جمعیۃ علماء) ساکنان الٰہ آباد)

# انجمن ترقی اُردو اور اُردو کے مسایل

## (انجمن کی شاخ دہلی کی مخصوص نشست)

انجمن ترقی اردو کی ایک مخصوص نشست ۲۱ر جنوری ۶۲ء کی شام کو جناب آل احمد سرور صاحب کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اس میں ممبران انجمن کے علاوہ دلی کے سربرآوردہ ادیب و شاعر بھی موجود تھے۔ نشست میں "انجمن ترقی اُردو اور اُردو کے مسایل" پر کھل کر گفتگو کی گئی۔ اور اُردو کی ترقی میں اس وقت جو چیزیں حائل ہیں ان پر غور کیا گیا۔ نشست کا آغاز کرتے ہوئے حمیدہ سلطان نے کہا کہ مرکزی انجمن اور انجمن کی شاخ دہلی کے متعلق یہاں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اُردو کے مسئلے کے متعلق وہ اب تک کچھ نہیں کر سکی ہے۔ سرور صاحب سے میں درخواست کرتی ہوں کہ مرکزی انجمن کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے اس مسئلے پر روشنی ڈالیں۔

سرور صاحب نے فرمایا کہ اُردو کی ترقی کا سوال ایک قومی مسئلہ ہے، کیونکہ ہندوستان کی چودہ منظور شدہ زبانوں میں سے ایک زبان اُردو بھی ہے۔ انجمن کی تحریک چند واضح خطوط پر چلتی رہی ہے۔ انجمن ہرگز ہندی کی مخالفت کرنا نہیں چاہتی۔ لیکن یہ بھی نہیں چاہتی کہ اُردو کے حقوق نہ ملیں۔ اس کا حق منوانے کے لئے ہمارا دوسری زبان والوں سے رابطہ رکھنا بھی بے حد ضروری ہے۔ اور ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ اُردو کا حق مانگنے والے کسی سیاسی پارٹی سے محض اس کا حق منوانے کے لئے خود کو وابستہ کرلیں۔ یہ تو ایک قومی مسئلہ ہے۔ اس لئے اس کو کسی سیاسی پارٹی کا کھلونا نہیں بنایا جا سکتا۔ بہت سی سیاسی پارٹیاں اُردو کے حق کو مانتی ہیں اور آئے دن ان پارٹیوں کے لیڈر اُردو کی تعریف کرتے رہتے ہیں لیکن جہاں تک عمل کا سوال ہے۔ وہاں صرف ایک پارٹی کے عمل کو دیکھنے کا موقع ملا ہے اور مجھے افسوس ہے کہ اس پارٹی کے قول و فعل میں تضاد بھی ہے۔

اُردو کی کوئی تحریک قومی وحدت میں خلل نہیں ڈالتی بلکہ اُردو تو ہمارے مخلوط کلچر کی مستقل نشانی ہے۔ ان چودہ سالوں میں ملک میں بہت تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ اور اب چند فرقہ پرست جماعتوں کے سوا اکثریت کا رجحان جمہوری ہے۔ اس سے ہمیں بڑی خوشی ہے کہ اُردو زبان کے ساتھ وہ تعصب اب نہیں برتا جاتا جو سنہ ۴۷ء میں تھا۔ اُردو کے نامور لکھنے والوں کو دوسری زبانوں کے بڑے ادیبوں کی طرح شہرت ملتی ہے اور یہ اطمینان بخش بات ہے۔ اُردو اتر پردیش، بہار، پنجاب اور دلی کی زبان ہونے کے علاوہ ہندوستان گیر زبان ہے۔ لیکن اس کو ابھی تک کہیں بھی علاقائی زبان نہیں مانا گیا۔ یہ صورت حال اس کی ترقی میں حائل ہے۔ انجمن ترقی اُردو کی تقریباً تین سو شاخیں ہیں۔ بیشتر شاخوں نے بہت مفید کام کئے ہیں۔ دلی شاخ بھی کام کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں ہے۔ اُردو کو علاقائی زبان منوانے کے لئے برابر کوشش کر رہی ہے اور مرکزی انجمن کی بھی کوشش ہے کہ جلد از جلد یہ مسئلہ حل ہو جائے۔ لیکن اس مسئلے میں بعض ایسی رکاوٹیں ہیں کہ یہ کام ابھی تک نہیں ہو سکا لیکن یہ سمجھ لینا غلط ہے کہ ہم لوگ کچھ بھی نہیں کر رہے ہیں۔ اور یہ سمجھنا اور بھی غلط ہے کہ سب کچھ ہم نے کر لیا ہے۔ اُردو تحریک میں وہ سب خامیاں ہیں جو ہندوستان کی اور تحریکوں میں ہیں۔ اور اس کے علاوہ ایک بڑی خامی یہ ہے کہ اُردو والوں نے اپنے اوپر اعتماد کرنا نہیں سیکھا۔ خود اعتمادی کا جذبہ اگر ہم میں نہیں ہوگا تو اس سے ہمارے مقصد کو نقصان ہوگا۔ ہندی کی ترقی سے میں سمجھتا ہوں اُردو کے لئے کام کرنے کا میدان اور وسیع ہوگا۔ ہمیں دوسروں پر اعتراض کرنے کے بجائے اپنی خامیوں کو بھی دیکھنا چاہئے۔ صرف حکومت کے برتاؤ پر نظر رکھنے یا انجمن پر نکتہ چینی کرتے رہنے سے اُردو کی ترقی نہیں ہو سکتی۔ چاہئے تو یہ کہ ہر اُردو والا بطور خود جتنا بھی کام کر سکتا ہے کرے۔

جگن ناتھ آزاد نے کہا کہ انجمن کے پروگرام کے بارے میں سرور صاحب نے بہت تفصیل سے بات کی ہے لیکن ہم محسوس کرتے ہیں کہ روز بروز اُردو جاننے والوں کا حلقہ محدود ہوتا جا رہا ہے اور یہ بہت خطرناک بات ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اپنے اپنے حلقے میں اُردو پڑھانے کا انتظام کریں جس سے اُردو کی ترقی ہوگی اور ہم سے احساس کمتری بھی دور ہوگا۔ انجمن تو اپنے انداز سے کام کرتی ہے۔ لیکن اُردو پڑھانے کا انتظام بطور خود کرنا ہر اُردو دوست کا فرض ہے۔

رشید حسن خاں نے کہا کہ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ انجمن زیادہ ادبی ہے یا زیادہ عوامی۔ یوپی میں دستخطی مہم کے بعد انجمن سے عوام کا رابطہ ایک طرح ٹوٹ سا گیا ہے اور یہ خلا دن بدن بڑھتا ہی جاتا ہے۔ انجمن کی اکثر شاخیں ادبی نشستیں اور مشاعرے کر کے سمجھتی ہیں کہ انھوں نے اُردو کی ترقی کے لئے کافی کام کر لیا۔ مرکزی انجمن کو خود اس طرف نظر رکھنا چاہئے۔ بہت سی شاخوں کا مرکز سے تعلق یونہی سا ہے۔ انجمن نے اپنی سرگرمیوں کا دائرہ اتنی اونچی سطح پر رکھا ہے کہ شاخیں بالکل اس سے ناواقف ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ مرکزی انجمن اپنی [illegible] کے علاوہ ان مخطوطات کی طرف نظر کرے جن کا بڑا حصہ خود اس کے کتب خانے میں ہے۔ کتابیں تو انجمن سے ہر سال شائع ہو کر نکلتی ہیں لیکن اس میں کلاسیکل کتابوں کا حصہ برائے نام ہے حالانکہ ضرورت اس کی ہے کہ انجمن کلاسیکی ادب زیادہ شائع کرے۔

رشید حسن خاں نے کہا کہ املا کے لئے انجمن مسلمہ اصول وضع کرے۔ تقسیم وطن سے پہلے ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب کی صدارت میں جو کمیٹی بنائی گئی تھی، اس نے املا کے جو اصول وضع کئے تھے، انجمن نے چار سال تک ان کی پابندی کی، اب ان اصولوں کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا۔

قمر رستوری پرنسپل فتح پوری اسکول نے کہا کہ ہمارے اسکول میں ذریعہ تعلیم اُردو ہے۔ ہم یہ دقت محسوس کرتے ہیں کہ بورڈ نے نئی کتابیں اُردو میں تیار نہیں کرائیں۔ دلی ایڈمنسٹریشن کے محکمہ تعلیم سے ہم نے کہا لیکن محکمہ کا کہنا ہے کہ ہندی سے اُردو میں ترجمہ کرنے کے لئے کتابیں دی جاتی ہیں۔ اُردو والے اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ نہ پبلشر اس طرف توجہ کرتے ہیں۔ جب ہمارے یہاں سے اُردو ذریعہ تعلیم میں پاس ہو کر لڑکے نکلتے ہیں تو یونیورسٹیوں میں انھیں بڑی مشکل ہوتی ہے وہ ہندی کی کتابوں کو سمجھ نہیں سکتے۔ آج کل دوسرے اسکولوں میں اُردو کے معیار کو نہیں پڑھایا جاتا۔ حالانکہ یہ محسوس کیا جاتا ہے لیکن مشکل ہے

کہ اُردو ماسٹر نہیں ملتے۔ پچھلے دو سال سے ہم اپنے اسکول کی جانب سے ریڈیو پر اُردو کے پروگرام پیش کرتے ہیں لیکن سمجھنے والوں میں بیشتر ہندی ذریعۂ تعلیم کے بچے ہوتے ہیں۔ ہمیں اس سلسلے میں دوسرے اسکولوں سے تعاون نہیں ملتا۔

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ انجمن ترقی اُردو جس انداز سے کام کر رہی ہے وہ عوامی بھی ہے اور ادبی بھی۔ لیکن یہ عام طور پر محسوس کیا جاتا ہے کہ عوام سے انجمن کا تعلق برائے نام ہے اور یہ اس کی ترقی میں حائل ہے۔ اردو کی ہندوستان گیر حیثیت یہ چاہتی ہے کہ کام کی رفتار اور تیز کی جائے۔ مرکز کا شاخوں سے واسطہ ایسا ہو کہ ہر شاخ کی نقل و حرکت پر مرکز کی نظر ہو اور مرکز کے کاموں کی مختصر تفصیل ہر شاخ کو معلوم ہو۔ بہتر یہ ہے کہ اب مرکزی انجمن کو علی گڑھ سے دلی میں منتقل کیا جائے۔ جب یہ دفتر علی گڑھ بھیجا گیا تھا وہ حالات معمولی نہیں تھے۔ اب اُردو تحریک کا کام دلی سے شروع ہو تو زیادہ جلدی کامیابی ہوگی اس لئے کہ یہ راجدھانی ہے اور اُردو کی جنم بھومی ہے۔ مطبوعات کے سلسلے میں ڈاکٹر نارنگ نے کہا ببلیوگرافی جو تیس برس پہلے حیدرآباد سے شائع ہوئی تھی انجمن نے اس سلسلے میں پھر کوئی قدم نہیں اُٹھایا۔ قاضی عبدالغفار صاحب مرحوم نے ایک فہرست تیار کرائی تھی وہ مسودے کی شکل میں موجود ہے۔ اس کی تصحیح کرا کے شائع کرایا جا سکتا ہے اور تحقیقی ادب کی طرف مرکزی انجمن کو زیادہ توجہ دینی چاہئے۔ نیز اُردو ادب کی اشاعت بھی وقت پر ہو اور اس کے معیار کو بلند کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ غالب کی سو سالہ برسی کا پروگرام کس صورت میں مرکزی انجمن پیش کرے گی اس کا بھی ابھی سے ایک پروجیکٹ بنانا چاہئے۔

اجمل خاں صاحب نے فرمایا کہ اُردو کا رسم الخط ایسا ہے کہ اُردو کے طالب علموں کے لئے اس سے بڑی دشواریاں ہوتی ہیں۔ اس سلسلے میں انجمن نے جو اصلاحی کمیٹی مقرر کی تھی اس نے رپورٹ بھی پیش کی لیکن اس پر عمل نہیں ہوا۔ اردو کی جتنی اصطلاحات بن رہی ہیں حکومت نے اسے شائع کیا۔ ان کا ترجمہ نہایت ناقص ہے۔ اگر اُردو کا کوئی ادیب اس پر نظر ڈالے تو اسے صاف نظر آئے گا۔ مرکزی انجمن کو اس پر غور کرنا چاہئے۔ ہر بیچ چودہ زبانوں کے الفاظ جمع کروائے اسے گورنمنٹ نے شائع بھی کیا ہے۔ بنگالی، اڑیا، فارسی کے کافی لفظ موجود ہیں۔ انجمن ان الفاظ کی جو اُردو کے ہیں اور دوسری زبانوں میں شامل ہیں ڈکشنری بنوائے۔ ہندی اُردو والے مل کر بیٹھیں تو یہ کام آسانی سے ہو سکتا ہے کہ بنیادی ہندی بنائیں۔ اُردو کی ترقی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ رومن رسم الخط میں انجمن شعر و ادب کا انتخاب شائع کرے۔

رشید علوی صاحب نے کہا کہ دستخطی مہم کا نتیجہ ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا اس سے ایک مایوسی کی فضا اُردو والوں میں پیدا ہو گئی ہے۔

ڈاکٹر قمر رئیس نے کہا کہ اجمل خاں کے فرمانے کے مطابق اصطلاحات پر توجہ کرنا ضروری ہے۔ لسانی فارمولے پر بھی انجمن کو غور کرنا چاہئے۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس سے اُردو کو فائدہ نہیں ہوگا جب غیر قومی حکومت کے زمانہ میں ثانوی درجوں میں اُردو کو لازمی رکھا گیا تو پھر اپنی قومی حکومت میں یہ کیوں نہیں ہو سکتا۔ انجمن جہاں اور چیزوں کو نظر کے سامنے رکھتی ہے وہاں اس پر بھی غور کرے۔ پچھلی انجمن نے سائنس اور معاشیات کے نام سے رسالے نکالے تھے۔ انجمن کو اس طرف بھی توجہ دینی چاہئے۔ لیکن چونکہ اراکین انجمن کے سامنے اس وقت اُردو کے تحفظ کا سوال ہے اس وجہ سے علمی و ادبی کام نہیں ہو پاتے۔ جب صورت حالات اطمینان بخش ہوگی تو پہلے کی طرح انجمن کام کرے گی۔

سرور صاحب نے فرمایا۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ سب لوگوں نے بڑے خلوص سے انجمن کو مشورہ دیا اور اپنے دلی خیالات کا اظہار کیا جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا۔ اس دور میں انجمن کے سامنے کچھ مشکلات رہی ہیں انجمن کی وجہ سے کام ٹھیک ڈھنگ سے نہیں ہو پایا ہے
ہمارے کاموں میں جو رکاوٹیں در پیش ہیں ان سے اُردو دوست واقف نہیں ہیں لئے اعتراض کرتے ہیں۔ لیکن مجھے اس سے بڑی خوشی ہوئی کہ اب اُردو والے تعمیری تنقید کا اظہار کرتے ہیں اور تحقیقی پہلوؤں کی طرف زیادہ غور کر رہے ہیں۔

رسم الخط کے بارے میں سرور صاحب نے فرمایا کہ ہم نے ۱۹۴۲ء میں ایک سیمینار کیا تھا جس میں تمام مشاہیر علم و ادب کی رائے معلوم کی تھی ان میں مولانا آزاد صاحب بھی شامل تھے لیکن اُردو سماج قدامت پسند واقع ہوا ہے۔ مولانا کی بھی اکثریت کی رائے یہی تھی کہ موجودہ رسم الخط میں کسی بڑی تبدیلی یا اصلاح کی ضرورت نہیں۔

انجمن کے ادبی اور عوامی کاموں کی حد بندی بہت دشوار ہے لیکن یقین رکھئے کہ اُردو دوستوں کی تجاویز کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔

مرکزی انجمن کو دلی منتقل کرنے کی درخواست کے جواب میں سرور صاحب نے فرمایا کہ علی گڑھ نے انجمن ترقی اُردو کے لئے جو کام کیا اور جس دور میں کیا وہ یہاں ان حالات میں ہونا ممکن نہ تھا علی گڑھ نے انجمن ترقی اردو کو جتنا کچھ دیا ہے اُردو والوں کو اس پر فخر کرنا چاہئے لیکن اب ہماری مجلس عاملہ فیصلہ کر چکی ہے کہ دفتر کو دلی آجانا چاہئے۔ اس کے لئے جو انتظامات کئے جا رہے ہیں اس میں کچھ وقت لگے گا۔ مگر فیصلہ ہو چکا ہے کہ عمارت کے لئے مناسب زمین ملنے اور عمارت بننے پر انجمن دہلی آجائے۔

سرور صاحب نے دلی شاخ کو ہدایت کی کہ وہ جلد از جلد اعداد و شمار مہیا کرے کہ ابتدائی اسکولوں، ثانوی اسکولوں میں پڑھنے والوں کی تعداد کتنی ہے تاکہ کوئی اقدام دلی میں اُردو کے مسئلہ پر کیا جا سکے۔

دستخطی مہم کے لئے سرور صاحب نے فرمایا کہ وہ اپنی جگہ کامیاب تھی اس کا ابھی تک کوئی نتیجہ نہیں نکلا تو اس میں انجمن کا قصور نہیں۔ یہ سماجی نظام کی خرابی ہے۔ اب اُردو کے بہی خواہوں کو چاہئے کہ اپنے اپنے حلقوں میں وہ اپنے ہم نوا بنائیں اور اگر ضرورت ہو تو وہ سامنے آکر ہمارے ساتھ اُردو کے لئے کام کریں جب تک اُردو والے خود پر اعتماد نہیں کریں گے صرف انجمن کی کوشش سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ آپ اپنی ریاستی شاخ کو مفید مشورے دیجئے اور اپنے اخلاص عمل سے اس کے کارکنوں کے ہاتھ مضبوط بنائیے۔

آخر میں پنڈت سندر لال صاحب صدر شاخ دلی نے فرمایا۔

سرور صاحب کے ہم بے حد مشکور ہیں کہ انھوں نے باوجود بے حد مصروفیت کے ہمیں اتنا وقت دیا۔ ہماری باتیں سنیں اور اپنے خیالات سے ہمیں مستفید فرمایا۔ مجھے اُردو دوستوں سے یہ کہنا ہے کہ اس وقت انجمن ترقی اُردو کے حالات بالکل ایسے ہی ہیں جیسے کہ جنگ کے زمانے میں کسی ملک کے ہو جاتے ہیں۔ اور انجمن کا بہت سا وقت بیکار دوڑ دھوپ، ہنگامی کاموں، حکومت اور افسران متعلقہ سے گفتگو کرنے میں صرف ہو جاتا ہے۔ اس لئے اونچے درجے کا علمی تحقیقی کام نہیں ہو پاتا۔ جیسے ہی صورت حالات ٹھیک ہو گی انجمن پہلے کی طرح ہی کام کرے گی۔ یہ تو ہم بھی جانتے ہیں کہ اس دور میں کام کرنا کتنا مشکل ہے۔ ہاں مرکزی انجمن کو عوام سے قریب کرنے کے لئے رابطہ قائم کرنا میں سمجھتا ہوں ہمارے لئے ضروری ہے۔

پنڈت جی نے فرمایا کہ انجمن ترقی اُردو ایک قومی ادارہ ہے۔ اُردو کی ترقی کے لئے کام کر کے وہ ملک و قوم کی ایکتا کا اہم کام کر رہا ہے۔ اور تعصب کی جو دیمک مشترکہ قومیت کے درخت کو بُری طرح چمٹ گئی ہے انجمن اس کو ختم کرنے کے لئے اپنی تمام کوشش صرف کر رہی ہے۔

# وزیرِ اعلیٰ بہار سے اُردو وفد کی ملاقات

## بہار کے اُردو داں طبقہ کی مشکلات دُور کرنے کے لئے اقدامات کا وعدہ

پٹنہ۔ وزیرِ اعلیٰ بہار نے اُردو دانوں کے ایک وفد سے اُردو بولنے والوں کے مسائل اور مشکلات کے بارے میں تبادلۂ خیال کیا اور یقین دلایا کہ حکومت بہار اردو کی ترقی اور وسعت کی خواہاں ہے، اور وہ اردو بولنے والوں کے بھی مسائل اور مشکلات کو دور کرنے کے لئے فوری کارروائی کرے گی۔ وفد نے ریاستی انجمن ترقی اُردو کے صدر جناب ایوب صاحب ایڈوکیٹ کی رہنمائی میں آج مسٹر بہوگنا وزیرِ اعلیٰ کی قیام گاہ پر ان سے ملاقات کی۔ اس موقع پر وزیرِ تعلیم شری ستیندر نارائن سنہا، وزیرِ صحت شری بیر چند پٹیل، وزیرِ قانون شری جعفر امام، حکومت بہار کے چیف سکریٹری، ایجوکیشن سکریٹری کے علاوہ دوسرے متعلقہ افسر بھی موجود تھے۔ ایوب صاحب نے ایک یادداشت کی شکل میں مطالبات اور شکایات کو پیش کرتے ہوئے نہایت خوش اسلوبی اور سنجیدگی سے روشنی ڈالی۔ وزیرِ اعلیٰ نے نہایت توجہ سے تمام باتیں سنیں۔ اس کے بعد ایک ایک نکتے پر الگ الگ تبادلۂ خیال کیا۔

وزیرِ اعلیٰ نے کہا کہ مرکزی وزارت داخلہ کے اعلانیہ اور وزرائے اعلیٰ کی کانفرنس میں لسانی اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے جو فیصلے کئے گئے تھے حکومت ان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کارروائی کر رہی ہے۔ اس ضمن میں اُردو وفد کے مطالبات کو پیشِ نظر رکھے گی۔ وزیرِ اعلیٰ نے کہا کہ وہ فوری طور پر ایک اعلیٰ افسر بحال کر رہے ہیں جو اُردو کو علاقائی زبان تسلیم کرنے کے بارے میں آئینی پیچیدگیوں پر غور کرنے کے بعد حکومت کو رپورٹ پیش کرے گا۔ اس کے بعد ضرورت محسوس ہوگی تو ایک لسانی کمیٹی بھی مقرر کی جائے گی جیسا کہ وفد کی طرف سے مطالبہ کیا گیا ہے۔ اتر پردیش میں اُردو سے متعلق لسانی کمیٹی نے جو رپورٹ دی ہے وزیرِ اعلیٰ نے کہا کہ حکومت اسے بھی پیشِ نظر رکھے گی۔ وزیرِ اعلیٰ نے عدالتوں اور دفتروں میں اُردو درخواستیں، عرضیاں اور بیان تحریری قبول کئے جانے کے بارے میں یقین دلایا کہ جلد ہی احکامات جاری کر دئے جائیں گے۔ ٹکسٹ بک کمیٹی اور دوسری تعلیمی کمیٹیوں میں انجمن ترقی اردو کو نمائندگی دینے کا مطالبہ بھی وزیرِ اعلیٰ نے منظور کر لیا۔ مختلف مدرسوں کے امتحانات کے ہندی پرچوں کے بارے میں انجمن نے جو مانگ کی تھی اس کے متعلق بتایا کہ پہلے ہی سے حکومت نے وہ سہولت دے رکھی ہے۔ وزیرِ اعلیٰ نے آخر میں نہایت خندہ پیشانی سے کہا کہ رکی ہوئی گاڑی چل پڑی ہے تو آگے کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ وزیرِ اعلیٰ نے کہا کہ مادری زبان میں سوالوں کا جواب لکھنے کا حق فی الحال ششم تک برقرار رکھنے کی کوشش کریں گے۔

(نامہ نگار)

## اُردو مجلس حیدرآباد کا ماہانہ ادبی جلسہ

اُردو مجلس حیدرآباد کا ماہانہ ادبی جلسہ ۳۰ر جنوری کی شام کو اُردو ہال واقع حمایت نگر میں منعقد ہوا۔ صدر اُردو مجلس رائے جانکی پرشاد صاحب نے ڈاکٹر رام نرنجن پانڈے صدر شعبہ ہندی جامعہ عثمانیہ سے صدارت کی درخواست کی اور پھر پروگرام کے مطابق جناب یوسف سرمست لکچرار اردو بہار کالج نے ایک گراں قدر مقالہ "مولانا ابوالکلام آزاد۔ ایک فلسفی" سنایا اور کہا کہ "مولانا آزاد کی زندگی اور ان کی تحریریں سارے ہندوستان کے لئے قابلِ فخر ہیں۔ انھوں نے ہندوستانی قوم کو ایک ایسے وقت جھنجھوڑا جب ان کے طرزِ خیال پر مایوسی کا احساس چھایا ہوا تھا۔ مولانا آزاد نے اپنی تحریروں سے مردہ قوم میں زندگی کی نئی روح دوڑا دی۔ زندگی کے واقعات کو وہ ہمیشہ فلسفیانہ نقطۂ نگاہ سے دیکھتے تھے اس لئے زندگی کو کھیل تماشہ بنا دینے کے وہ قائل نہیں تھے۔ جناب یوسف سرمست نے کہا کہ زندگی گزارنے کے لئے مولانا اخلاقی قدروں کو بے حد ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ انسانوں کو جانوروں سے ممیز کرنے والی اہم ترین چیز یہی ہے۔

جناب یوسف سرمست کے بعد شری وندھیاچل ترپاٹھی لکچرار ہندی ویویک وردھنی کالج نے اپنا مضمون بعنوان "ہندی کے مسلمان شاعر" پیش کیا اور بتایا کہ کئی مسلمان شاعروں خواہ صوبوں نے ہندی زبان کو سنوارنے میں مدد دی ہے۔ "امیر خسرو، ملک محمد جائسی، کبیر، عبدالرحیم خان خاناں، رس خان کا ذکر کرتے ہوئے شری ترپاٹھی نے ان کے کلام سے کئی مثالیں دیں اور کہا کہ ان شاعروں نے ذات پات اور فرقہ وارانہ رجحانات کے خاتمے کے لئے بہت بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ یہی شعرا ہندو مسلم ایکتا کے صحیح معنوں میں پیغامبر تھے۔ دل کی صفائی اور خدا پر یقین رکھتے تھے اور ان کے کلام میں زندگی کی صحت مند قدریں ملتی ہیں۔"

شری وندھیاچل ترپاٹھی نے کہا کہ "مسلم حکمرانوں نے اُردو اور ہندی میں میل جول بڑھانے کی کامیاب کوششیں کی ہیں۔" "ہندی کا نام مسلمانوں کا دیا ہوا ہے اور اس کا استعمال مسلمان شاعروں کے کلام میں ملتا ہے۔ ان مسلمان شاعروں کا ہندی ادب ہمیشہ کے لئے احسان مند اور شکر گزار رہے گا۔ لائق ہے کہ انھوں نے ہندی میں شاعری کر کے ہندوؤں کے دل میں اپنے لئے بڑی اونچی جگہ بنالی ہے خاص طور سے ایسے شاعروں کے لئے جنھوں نے صرف ہندی زبان کو ہی نہیں بلکہ ہندوؤں کی تہذیبی بھاؤنا کو بھی اپنا لیا ہے۔ اتنی بڑی قربانی اور عجیب معمولی شخصیت کے انسان سے ممکن نہیں ہے۔ اس کے لئے سب سے پہلے اپنے آپ پر یقین، رواداری اور وسعتِ قلب کی ضرورت ہوتی ہے۔" آخر میں شری ترپاٹھی نے کہا کہ جیسا کہ ہندی کے ایک ممتاز شاعر بھارتیندو ہریشچندر نے کہا ہے میں بھی ان کا ہمنوا ہو کر یہی کہتا ہوں کہ اس طرح کے مسلمان خدا کے بھگتوں کی بھگتی پر کروڑوں ہندوؤں کو قربان کیا جا سکتا ہے۔

شری ترپاٹھی کے اس معلوماتی مضمون کے بعد مقامی شعرا نے اپنا کلام سنایا۔ صدر جلسہ ڈاکٹر رام نرنجن پانڈے نے صدارتی تقریر میں اُردو مجلس کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے اس قسم کے اجتماعات کے انعقاد پر مبارکباد دی اور کہا کہ زبانیں سیاسی ہتھکنڈوں سے نہیں بڑھتیں۔ اس کے لئے ہم سب کو آپس میں متحد ہو کر کام کرنا چاہئے۔ ہندی کے مسلمان شاعروں میں آپ نے رحیم خانخاناں کی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ کئی زبانوں کا ماہر تھا۔ اس کے ایک شعر میں پانچ زبانیں ایک ساتھ ملتی ہیں۔ ہندی کے مسلمان شاعروں نے ہندی کے مسلمان شاعروں نے ہندو مسلم اتحاد کے جذبے کو آگے بڑھانے اور قومی یکجہتی کی فضا پیدا کرنے میں قابلِ قدر کام انجام دئے ہیں۔ جناب محمد منظور احمد معتمد اعزازی اُردو مجلس کے شکریہ پر ادبی جلسہ برخاست ہوا۔

(وقار خلیل)

# قومی یک جہتی

## ہندوستانی ادیبوں کا اہم اقدام

قومی یک جہتی کے سوال پر غور کرنے کے لئے بنارس میں ادیبوں کی ایک اہم کانفرنس کا حال ہی میں انعقاد ہوا۔ علامہ نیاز فتح پوری نے خطبۂ صدارت پڑھا، علامہ کا پورا خطبہ ہمارے سامنے نہیں ہے۔ لیکن اُس کا جتنا حصہ بھی ہماری نظر سے گزرا ہے بہت خوب ہے۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ

"اتحاد یا یک جہتی ایسا عقیدہ نہیں جس کا صرف ذہنی اعتراف نجات کا ضامن ہو بلکہ وہ نام ہے عملی زندگی میں ایک دوسرے سے محبت برتنے کا، ہمدردی اور رفاقت رکھنے کا، اور میں سمجھتا ہوں کہ اس باب میں ہندوستان سے زیادہ بدنصیب کوئی ملک نہیں۔

"اتحاد یا یک جہتی ایک ایسا لفظ ہے جس کا لغوی مفہوم کوئی اہمیت نہیں رکھتا، اس کا صحیح مفہوم احساس سے نہیں بلکہ عمل سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے یہ لفظ ہماری زبان سے نکلنا ہی نہ چاہئے۔ جب تک ہمارے عمل و کردار سے اس کی تصدیق نہ ہو۔

"یہ اختلاف دراصل مذہب کا اختلاف نہیں، بلکہ غلط تعبیر مذہب کا اختلاف ہے۔ اصول اخلاق کی تعلیم کے لحاظ سے دنیا کے مذاہب ایک ہیں، ان کی تعلیم ایک ہے اُن کی منزل مقصود ایک ہے۔ فرق اگر ہے تو صرف یہ کہ راہیں جُداجُدا ہیں، اور یہ کوئی بُری بات نہیں۔

"اس سے زیادہ افسوسناک اختلاف وہ ہے جس کا تعلق نہ مذہب سے ہے نہ تہذیب و تمدن سے بلکہ صرف حصول اقتدار کے جذبہ مسابقت سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ ملک کی گندی ذہنیت کو دور کرنے کی پوری کوشش کرے۔"

ہمارے خیال سے علامہ نے مندرجہ بالا الفاظ میں مرض کی پوری پوری تشخیص کردی ہے اور علاج بھی بتادیا ہے۔

ملک میں تعلیم کی رفتار تیزی سے بڑھ رہی ہے اس لئے ادیبوں کی ذمہ داریوں میں بھی اضافہ ہورہا ہے۔ ملک کے ادیب ذہنوں کی تربیت میں اہم رول ادا کرتے رہے ہیں، کررہے ہیں اور کریں گے۔

ملک میں نیشنلزم کا تصور عام کرنے میں ادیبوں نے اجتماعی طور پر حصہ لیا تو جدوجہد آزادی میں زیادہ سرگرمی پیدا ہوئی۔ پھر ۱۹۴۷ء کے بحرانی دور نے ادیبوں کے سامنے ایک چیلنج پیش کیا اور ملک کے سارے ترقی پسند ادیب ذہنوں کی اصلاح کی طرف مائل ہوگئے، چنانچہ فسادات کی بربریت اور انسانی قدروں کی جو بھیانک شکل اُبھر رہی تھی، وہ رک گئی اور بہت جلد انسانیت کا چہرہ خوش نما ہونے لگا۔ اب پھر ملک کے حالات نے ایک کروٹ لی ہے، اس لئے نئے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے اگر ادیب متحدہ طور پر ایک تحریک کی شکل میں اُٹھ کھڑے ہوئے تو صدیوں کی راہ دنوں میں طے کرنا آسان ہو جائے گا۔

(مدینہ)


انجمن کی نئی کتاب

## نئے ڈرامے

مرتب۔ ڈاکٹر محمد حسن ۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶

صفحات ۲۱۲ ۔ قیمت۔ پانچ روپے

اس مجموعے کا ہر ڈرامہ بے حد دلچسپ ہے۔ اس میں حسب ذیل ڈرامہ نگاروں کی تخلیقات شامل ہیں۔ آج ہی آرڈر بھیج کر منگوائیے:-

۱۔ اصغر بٹ ۔ چھوٹے میاں
۲۔ آغا بابر ۔ فالتو چیزیں
۳۔ انور عنایت اللہ ۔ عورت اور تاش کے پتے
۴۔ اوپندر ناتھ اشک ۔ جونک
۵۔ پرکاش پنڈت ۔ اخبار کا دفتر
۶۔ جاوید اقبال ۔ کمرے کا بوجھ
۷۔ راجندر سنگھ بیدی ۔ نقل مکانی
۸۔ عصمت چغتائی ۔ سانپ
۹۔ کرشن چندر ۔ سرائے کے باہر
۱۰۔ مرزا ادیب ۔ فن کار
۱۱۔ محمد حسن ۔ محل سرا
۱۲۔ ناصر شمسی ۔ تالاب

انجمن ترقی اُردو ہند۔ علی گڑھ



اُردو کا ایک سنجیدہ اور دلچسپ

مصور ہفت روزہ

## دورِ حیات

(شائع کردہ مولانا آزاد ایجوکیشنل ٹرسٹ)

فکر انگیز مضامین، افسانے، نظمیں، ادب پارے اور کئی مخصوص فیچر

قیمت سالانہ، بارہ روپے۔ ششماہی چھ روپے

پتہ: ۹ سلطان مینشن، کناٹ روڈ، بمبئی ۲۷


پبلشر فخر الحسن پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا